آندھیاں



آندھیاں

گلستان
ارضی دیوتا
پیش رو
وخشور
خدا اور دیوتا
زرد پتے
آندھیاں

جبران خلیل جبران

آندھیاں

بشیر ہندی

جبران اکادمی ۔ لاہور

نگران
بشیر ہندی

قیمت ------- دو روپے
پبلشرز ------ جبران اکادمی لاہور
طابع ------ پنجاب پریس لاہور
پرنٹر ------- نذیر حسین

فہرس

تم اور میں

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور میرا تخیل میرے لیے

تمہارا خیال ایک سخت جان درخت ہے۔ جس کی جڑیں تقلید کی گیلی مٹی میں پھنس کر رہ گئی ہیں اور شاخیں استمرار کی قوت سے پھیلتی ہیں

اور میرا تخیل فضا میں تیرتے ہوئے بادل کا ایک ٹکڑا ہے جو بوند بوند ٹپکتا ہے پھر ندی بن کر سمندر تک پہنچتا ہے اور پھر چھوٹی چھوٹی بدلیاں بن کر بلندیوں تک جا پہنچتا ہے

تمہارا خیال ایک متین اور مضبوط برج ہے جسے نہ کوئی طرف اپنی جانب جھکا سکتی ہے اور نہ اسے آندھیاں ہلا سکتی ہیں

اور میرا تخیل وہ نرم و نازک شاخ ہے جو ہر طرف جھکتی اور لہراتی ہے اور اس کے لہرانے سے تازگی اور مسرت حاصل ہوتی ہے

تمہارا خیال ایک ایسا قدیم مذہب ہے جو نہ تمہیں کچھ اور بنا سکتا ہے اور نہ خود بدلتا ہے۔

میرا تخیل ایک نئی اور انوکھی چیز ہے۔ جو مجھے صبح و شام الٹتی پلٹتی رہتی ہے اور میں اسے الٹتا پلٹتا ہوں

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور میرا تخیل میرے لیے

تمہارے خیال میں صرف یہی کچھ ہے کہ تم میں سے ہر طاقتور ہر کمزور کو جھنجوڑے اور تمہارا شاطر اور چالاک شخص سادہ لوح انسان پر فریب کے ڈورے ڈالتا رہے

میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ کدال سے زمین کو کھودوں اور اسے اپنے خون سے سینچ کر پھل حاصل کروں اور پتھر اور گارے سے ایک مکان تعمیر کروں اور روئی یا اون سے ایک لباس بنا لوں

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ عالی مرتبہ اور امیر و کبیر خاندانوں سے رشتے جوڑے جائیں

میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ میں اپنے آپ پر بھروسہ کروں

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ سنانے کے لیے انوکھی اور دلفریب
داستانیں ہوں اور شہرت کے پیچھے دوڑ دھوپ کی جائے
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ داستانوں اور شہرت کو ایسے سمجھوں
جیسے ابدی ساحل پر ریت کے دو دانے ہوں

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ سربلندی اور نفع اندوزی کے لیے جہاد کرو
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ سلامتی کی رغبت اور صرف آزادی کا شوق رکھو

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے۔ کہ تم حسین محلوں کے خواب دیکھا کرو۔ جن
کا ساز و سامان فن کاری کا بہترین نمونہ ہو۔ اور ان کے پردے الف لیلوی
تاروں سے بُنے گئے ہوں
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ میری رُوح اور میرا جسم اِتنا پاکیزہ ہونا چاہیئے
کہ مجھے یہ بھی پرواہ نہ رہے کہ میں اپنا سر کہاں ٹیکوں

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ کوشش کرو کہ تمہیں عہدے ملیں اور
القابوں سے نوازے جاؤ
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ میں صرف ایک نفع رساں خادم بن جاؤں

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور میرا تخیل میرے لیے

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ تم فنی اور سیاسی گورکھ دھندے بن جاؤ
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ میرے کھلے کھلے اصول ہوں

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ وہ حسین عورت ہے۔ وہ بدشکل ہے وہ بڑی فہیم ہے وہ قابل ہے وہ نالائق ہے اور وہ بیوقوف ہے۔
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ ہر عورت ہر مرد کی ماں ہے ہر عورت ہر مرد کی بہن ہے اور ہر عورت ہر مرد کی بیٹی ہے

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے وہ چور۔ گنہ گار۔ بداعمال۔ خونی اور نافرمان ہے
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ چور ذخیرہ اندوز نے بنایا۔ مجرم کو ظالم نے پیدا کیا ہے۔ قاتل مقتول کا حلیف ہے۔ بداعمال نیک کردار کا پھل ہے اور نافرمان فرمانبرداری کا نتیجہ ہے

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ تم شریعت کے خلاف علم بغاوت بلند کرو

لیکن میرا تخیل کہتا ہے کہ اگر ایک شریعت خود ساختہ ہو تو ہمارا ہر شخص اس کی مخالفت کرے گا۔ یا اس کے سامنے گردن جھکا دے گا۔ پر جب ایک بنیادی قانون ہو۔ تو ہمارا ہر شخص اس کا چلانے والا ہے گرنے والوں میں سے جب کوئی اُف کرے گا۔ وہ انہی میں سے ہو گا اور جو اپنا دامن جھاڑے گا تاکہ وہ اپنے آپ کو اونچا سمجھنے والوں سے چھو نہ جائے۔ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پر وہ شخص جو پھسلنے سے بچ جائے اور پستی سے سربلند ہو لینے کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھے وہ ساری کی ساری انسانیت کی بلندی پر فخر کرتا ہے اور جو شخص اپنے بچا رہنے پر ناز کرتا ہے وہ زندگی سے اپنے آپ کو بچا لینے پر ناز کرتا ہے۔

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے۔ کہ ماہر فنکار۔ قابل اُستاد۔ لیاقت کا مجسمہ۔ فلسفی اور امام بن جاؤ

لیکن میرا تخیل کہتا ہے۔ کہ الفت رکھنے والا۔ محبت کرنے والا۔ مخلص حق گو۔ مستقل مزاج قربانی کرنے والا اور صاحبِ نظر بنوں

تمہارا خیال کہتا ہے کہ موسویت۔ مسیحیت۔ بُدھیت۔ ہندوُیت اور اسلامیت

لیکن میرا تخیل کہتا ہے۔ کہ ایک مجرد مطلق دین کے سوا اور کچھ نہیں ہے گو اس کے ظہور کے طریقے بہت ہوئے پر وہ مجرد مطلق ہی رہا گو اس کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ لیکن وہ نہ بدلا جیسے ہاتھ کی اُنگلیاں

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کافر مشرک۔ دہری۔ خارجی۔ زندیق
لیکن میرا تخیل کہتا ہے۔ حیران و پریشاں دل کمزور ستایا ہوا اور عقل و شرح سے عاری

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ دولت مند۔ فقیر۔ مخیر اور صاحبِ استطاعت
لیکن میرا تخیل کہتا ہے کہ ہم سب محتاج ہیں۔ زندگی کے سوائے ہم سب حاجتمند ہیں اور زندگی کے سوا کوئی مخیر نہیں

میرا تخیل میرے لیے ہے اور تمہارا خیال تمہارے لیے

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ قومیں سیاسی جماعتیں۔ کانفرنسیں

نفرمیوں اور قراردادوں سے بنتی ہیں
لیکن میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ قومیں عمل سے بنا کرتی ہیں اور عمل سخاوت اور مہربانی میں ہے عمل زنگ زنہ کی بھٹی میں ہے عمل تعمیر اور تخریب میں ہے اور عمل لکھنے اور چھپنے میں ہے
تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ قبیلوں کی عظمت و شرافت قبیلے کے جیالوں کی وجہ سے ہے اسی لیے نمرود - بخت نصر - فرعون - سکندر قیصر اور نپولین کا ذکر جھوم جھوم کر کرتے ہو
لیکن میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ جیالے یہ لوگ تھے علی ابن طالب غزالی وغیرہ
تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ زبردست طاقت بندوقوں توپوں اور ٹینکوں وغیرہ میں ہے
لیکن میرا تخیل مجھے پورے جوش اور یقین سے کہتا ہے کہ سچائی سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں اور سچی بات سے بڑا کوئی عزم نہیں - مانا کہ بسا اوقات ساماں اور اسباب سے مدد لینے والوں کا زور کافی طویل رہا لیکن آخر کار وہ مغلوب ہو گئے .

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ جز اور کل عمل اور تخیل تصرف اور مادیت کو جدا جدا سمجھا جائے
لیکن میرا تخیل کہتا ہے کہ زندگی میں یکتائی ہے جس کے بڑے

وزن قیاس اور جدولیں ہیں جو تمہارے قیاسوں اور جدولوں پہ پورے نہیں اُترتے۔ یہ ہوتا ہے کہ جسے تم خیالی انسان سمجھتے ہو وہ باعمل لوگوں میں سے ہوتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں تم مادہ پرست اور اجرائی سمجھتے ہو وہ وہمی ہوتا ہے

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور میرا تخیل میرے لیے

تم اپنے خیال کے پیچھے چلو جو کھنڈروں اور پتھروں میں بھٹک رہا ہے

لیکن میں اپنے تخیل کی نگہبانی میں ہوں جو جناب وسدیم میں خاموش ہے

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے تم ساز لے کر اس کے گیت گاؤ اور پُرجوش رقص کرو

لیکن میرا تخیل تمہارے سازوں کی تاروں پر دَم توڑنے کے لیے ایک آخری نغمہ ہے

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور وہ تمام لوگوں کا فکر و خیال ہے

جو ہلنا جلنا پسند کریں الفت رکھنا اور خوش رہنا چاہیں
میرا تخیل میرے لیے ہے اور یہ ہر اُس شخص کا تخیل ہے جس کا
اس کے اپنے گھر میں کوئی نہ ہو اور جو اپنے بھائی بندوں میں ایک
اجنبی ہو اور جس کے وابستگان اسے پاگل خیال کرتے ہیں
تم اپنے لیے سوچو اور میں اپنے لیے

مکاشفہ

جب رات کافی گذر چکی، اور نیند نے اپنا دامن تمام دنیا پر
پھیلا دیا میں اپنے بستر سے یہ کہتے ہوئے اُٹھا۔
سمندر کبھی نہیں سوتا اور اس کی بیداری بے چین روحوں کو تسکین بخشتی ہے،
جب میں ساحل پر پہنچا۔ تو کہر پہلے ہی پہاڑ کی چوٹیوں سے نیچے
اُتر چکی تھی اور دنیا کو اس طرح ڈھانپ چکی تھی جس طرح نقاب کسی دوشیزہ
کے چہرے کو زیبائش بخشتا ہے۔
میں وہاں کھڑا موجوں کا نظارہ کرتا رہا
ان کے گیتوں کو سنتا رہا اور اس قوت پر غور کرتا رہا۔ جو ان کے
پس پردہ کام کر رہی ہے
وہ قوت جو طوفانوں کے ساتھ حرکت کرتی ہے
کوہ آتش فشاں میں غیظ و غضب کا اظہار کرتی ہے
پھولوں کے ساتھ ہنستی ہے اور گنگناتی ہوئی ندیوں کے
ساتھ گاتی ہے

کچھ دیر بعد میں نے پلٹ کر دیکھا۔ تو مجھے قریب کی ایک چٹان پر تین صورتیں دکھائی دیں

میں نے دیکھا۔ کہ کہر نے انہیں اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے لیکن، پھر بھی وہ مجھ سے پوری طرح پوشیدہ نہ تھیں

میں ایک نامعلوم کشش کے ماتحت آہستہ آہستہ چٹان کی طرف بڑھا جس پر وہ بیٹھی تھیں

چند قدم دور کھڑے ہو کر میں نے ان پر اپنی نگاہیں جما دیں کیونکہ اس مقام میں کچھ عجیب جادو سا تھا۔ جس میں میرے تصورات کھو چکے تھے اور میرے تخیل میں ہیجان پیدا ہو چکا تھا

ان میں سے ایک اٹھا اور ایک ایسی آواز کے ساتھ جو سمندر کی گہرائیوں میں سے بلند ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس نے کہا

زندگی محبت کے بغیر ایک درخت ہے جس میں کوئی پھول یا پھل نہ ہو

محبت حسن کے بغیر ایک پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو

وہ پھل ہے جس میں کوئی بیج نہ ہو

زندگی محبت اور حسن ایک عنصر کی تین ماہئتیں ہیں

آزاد اور لامحدود

جو نہ کبھی بدلتی ہیں اور نہ ایک دوسرے سے جُدا ہوتی ہیں"
اُس نے یہ کہا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا
پھر دوسرا اٹھا اور ایسی آواز کے ساتھ جس میں پرشور موجوں کی گونج
تھی اس نے کہا
زندگی انقلاب کے بغیر ان موسموں کی طرح ہے جن میں کبھی بہار نہ آئے
انقلاب صداقت کے بغیر وہ ندی ہے جو ایک خشک اور بنجر
صحرا میں بہا کرے
زندگی انقلاب اور صداقت ایک عنصر کی تین ماہیتیں ہیں
جو نہ کبھی بدلتی ہیں اور نہ ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں
اس نے یہ کہا اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا
پھر تیسرا اُٹھا اور بجلی کی کڑکتی ہوئی آواز میں کہا
زندگی آزادی کے بغیر ایک جسد بے رُوح ہے
آزادی حکمت و دانش کے بغیر ایک پریشان رُوح ہے
زندگی آزادی اور حکمت ایک ابدی عنصر کی تین ماہیتیں ہیں
جو کبھی فنا نہیں ہوتیں
پھر وہ تینوں اُٹھے اور نہایت رُعب وجلال سے گویا ہوئے
محبت اور جو کچھ اس سے صادر ہو

انقلاب اور جو کچھ وہ پیدا کرے

آزادی اور جو کچھ اس سے معرضِ اظہار میں آئے

یہ ذاتِ کبریائی کے تین مظاہر ہیں

ذاتِ کبریائی وہ لامحدود ہستی ہے جو نفسیات اور کون و مکان کو محیط ہے

پھر سناٹا چھا گیا جس میں نادیدہ پروں کی جنبش اور موہوم جسموں کی لرزش محسوس ہوتی تھی

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس آواز کی صدائے بازگشت کو سننے لگا جو میں نے ابھی سنی تھی

پھر جب میں نے آنکھیں کھولیں تو کہر کے دامن میں لپٹے ہوئے سمندر کے سوا مجھے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا

میں اس چٹان کے اور بھی قریب گیا لیکن مجھے آسمان کی طرف اُڑتے ہوئے دھوئیں کے ستون کے سوا اور کچھ بھی نظر نہ آیا

میرے دل نے کہا

میرے دل نے کہا کہ میں ان چیزوں سے محبت کروں۔ جن سے دوسرے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں سے دوستی پیدا کروں جنہیں دنیا ملامت کرتی ہے

میرے دل نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کر دی۔ کہ محبت صرف عاشق کا مرتبہ ہی نہیں بڑھاتی۔ بلکہ محبوب کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ کرتی ہے

اس سے پہلے محبت میرے لیے ایک دھاگا تھا جو دو کیلوں کے درمیان کس دیا گیا ہو

اور اب یہ ایک ہالہ بن چکا ہے جس کی ابتدا اس کی انتہا ہے

اور اس کی ابتدا تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور پھیل کر مستقبل کی ہر ایک چیز کو لپیٹ میں لینے والی ہے

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا۔ اور نصیحت کی کہ صورت و رنگ کے

پردوں میں حسن کو تلاش کروں

ہاں۔ میرے دل نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ہر اس چیز پر
اپنی نگاہیں جماؤں جو بدنما خیال کی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ خوبصورت
نظر آنے لگے

اس سے پہلے مجھے حسن دھوئیں کے ستونوں کے مابین ایک
جھلملاتی ہوئی شمع دکھائی دیتا تھا
مگر اب دھواں غائب ہو چکا ہے اور اب میں شمع کی لَو کے
سوا اَور کچھ نہیں دیکھتا

میرے دل نے کہا۔ کہ میں ان آوازوں کو سنوں۔ جو نہ حلق سے
بلند ہوتی ہیں اور نہ زبان سے
اس سے پہلے میری سماعت مجھ پر گراں تھی اور مجھے شور و غل
کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا
لیکن اب مجھے سکوت میں جذب ہونے کا شعور پیدا ہو گیا ہے
اور اب میں اس کے مقدس مغنیوں کے وہ نغمے سُن سکتا ہوں
جو وہ ازمنہ ماضیہ کی یاد میں گاتے ہیں
اور ابدیت کے راز بے نقاب کرتے ہیں

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا اور نصیحت کی۔ کہ میں اپنی پیاس اس شراب سے بجھاؤں

جو پیمانوں میں نہ ڈالی جائے

جسے ہاتھوں سے نہ اٹھایا جائے

اور نہ ہونٹوں سے چھو آ جائے

اس دن تک میری پیاس راکھ میں چھپی ہوئی ایک چنگاری کی طرح تھی جسے کسی چشمہ کے ذرا سے چھینٹے سے بجھایا جا سکتا ہو۔ لیکن اب میرا والہانہ جذبہ ایک پیالہ بن چکا ہے

محبت میری شراب بن چکی ہے اور تنہائی میرا سامانِ نشاط۔

میرے دل نے کہا۔ کہ میں ایک نادیدہ چیز کی تلاش کروں

اور اس نے مجھے بتایا۔ کہ ہم جس چیز کو اپنے قبضے میں لانا چاہتے ہیں۔ اسے ہم محبت کرتے ہیں

اس سے پہلے میں جاڑے کے موسم میں گرمی اور گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈک سے مطمئن تھا

لیکن اب میری انگلیاں کہر کے مانند بن چکی ہیں اور ان چیزوں کو جو ان کی گرفت میں ہیں نیچے گرنے دیتی ہیں اور اس نادیدہ چیز کے ساتھ

ملنے دیتی ہیں جس کا میں اب متمنی ہوں

میرے دل نے کہا۔ کہ میں ایک ایسے پودے کی خوشبو سونگھوں جس کی نہ جڑ ہے نہ پھول اور نہ ڈالی۔ اور جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔

اس سے پہلے میں سرسبز باغوں میں بھینی بھینی خوشبو رکھنے والے پودوں کے پھول دانوں اور عطریات کے ظروف میں نکہت تلاش کیا کرتا تھا۔ لیکن اب میں صرف اس لوبان سے واقف ہوں۔ جسے شاید نہ جلایا جا سکے۔ اور اب میں اس سے کہیں زیادہ نکہت سونگھتا ہوں۔ جو دنیا بھر کے باغوں اور خوشبو سے لدی ہوئی ہواؤں سے زیادہ تیز ہے۔

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا۔ کہ جب کہیں سے انجانی اور ان چلی پکار آئے۔ تو میں اس پر لبیک کہوں

اس سے پہلے میں نے صرف منڈی میں آواز لگانے والے بساطیوں کی آواز کے سوا کسی کو جواب نہیں دیا تھا۔ اور پامال راستوں کے سوا کسی اور راستے پر نہ چلا تھا

لیکن اب جانی بوجھی چیز مجھے سواری کا کام دیتی ہے۔ تاکہ میں

اُن بُوجھی دنیا کی طرف روانہ ہو جاؤں

اور راستہ ایک زینہ بن چکا ہے جس سے میں ایک پُرخطر پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ سکتا ہوں ۔

میرے دل نے کہا ۔ کہ میں وقت کو اس مقولہ سے جانچوں کہ

اس سے پہلے کا زمانہ دیروز تھا ۔ اور مستقبل ایک فردا ہو گا

اس وقت تک میں ماضی کو ایک گزرا ہوا زمانہ خیال کیا کرتا تھا ، جو بالکل بھلایا جا چکا ہے ۔ اور مستقبل کو ایک ایسا دور خیال کرتا تھا جس تک میں کبھی نہ پہنچ سکوں گا

لیکن اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے ۔ کہ دورِ حاضر کی قلیل مدت میں کل وقت اور اس کا ماحصل جمع ہو جاتا ہے

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا ۔ کہ میں زمان و مکان کا اسیر نہیں ۔ اب تک میں اپنے پہاڑ پر کھڑا تھا ۔ اور دوسرے پہاڑ مجھے بہت ہی دُور معلوم ہوتے تھے

لیکن اب میں جانتا ہوں ۔ کہ میں جس پہاڑ پر کھڑا ہوں ۔ اس میں تمام پہاڑ شامل ہیں

اور جس وادی سے میں گزرتا ہوں ۔ وہ تمام وادیوں پر مشتمل ہے

میرے دل نے مجھ سے کہا۔ کہ جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں
تو میں پہرہ دوں
اور جب وہ جاگتے ہوں۔ تب میں محوِ خواب ہو جاؤں
کیونکہ میں عمر بھر ان لوگوں کے خواب نہ دیکھ سکا۔ اور نہ انہوں
نے میرے خواب دیکھے۔
لیکن اب میرے خواب دن کے وقت پیدا ہوتے ہیں
اور جب وہ سوتے ہیں تو میں انہیں رات کی فضا میں آزاد دیکھتا
ہوں۔ اور ان کی آزادی پر خوش ہوتا ہوں

میرے دل نے کہا۔ کہ میں زیادہ تعریف سے خود پسند اور ملامت
کے خوف سے آزردہ خاطر نہ ہوں
اس دن تک مجھے اپنی صنعت گری کے متعلق شبہ تھا
لیکن اب مجھے یہ پتہ چلا ہے
کہ درخت موسمِ بہار میں شگوفے پیدا کرتے ہیں
گرمیوں کے موسم میں پھل لاتے ہیں اور خزاں میں اپنے پتے
گرا کر سردیوں میں بالکل عریاں ہو جاتے ہیں
اور ان کے دل میں نہ مسرت پیدا ہوتی ہے اور نہ خوف اور شرم۔

میرے دل نے مجھے کہا۔ کہ نہ میں بونوں سے زیادہ قد آور ہوں
اور نہ دیوؤں سے زیادہ پست۔

اس سے پہلے مجھے نوعِ انسان دو گروہوں میں دکھائی دیتی تھی
ایک ناتواں جسے میں حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور ان پہ ترس
کھاتا تھا۔

اور دوسرے طاقتور انسان جن کی یا تو اطاعت کرتا تھا۔ یا ان
کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتا تھا۔

لیکن اب میں جانتا ہوں۔ کہ میں بھی اسی مٹی سے بنا ہوں جس
سے دوسرے لوگ بنے ہیں

میرے جسم کے ترکیبی عناصر ان کے ترکیبی عناصر ہیں۔
اور میرا ضمیر ان کا ضمیر ہے
میری کشمکش ان کی کشمکش ہے
اور میری روش ان کی روش ہے

اور اگر وہ نیکی کے کام کرتے ہیں۔ تو میں بھی اس نیکی میں ان کا
شریک ہوں

اگر وہ اُٹھتے ہیں تو میں بھی اٹھتا ہوں۔

اور اگر وہ پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو میں بھی ان کے ساتھ

ہوتا ہوں۔

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا۔ کہ جو روشنی میرے اندر ہے وہ میری اپنی روشنی نہیں اور میرے گیتوں کی پیدائش میرے سینے میں نہیں ہوئی

اگرچہ میں مشعل لے کر سفر کر رہا ہوں۔ لیکن میں روشنی نہیں ہوں۔
اور اگرچہ میں کسے ہوئے تاروں کا ایک بربط ہوں۔ لیکن میں بربط نواز نہیں ہوں

میرے دل نے مجھے ہدایت دی اور روشنی عطا کی
اور اکثر اوقات تمہارے دل نے بھی تمہیں ہدایت کی ہو۔
اور تمہارے سینوں میں بھی اُجالا پیدا کیا ہو
کیونکہ تم بھی میری طرح ہو۔ اور مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ماسوائے اس کے کہ میں صرف اپنے باطن کے انہیں الفاظ کا ذکر کرتا ہوں
جنہیں میں نے خاموشی کے عالم میں سُنا ہے
اور تم اسے اپنے سینوں میں ضبط رکھتے ہو
اور تمہارا ضبط اتنا ہی اچھا ہے
جتنی میری گویائی۔

سال گرہ

جس دن میری ماں نے مجھے جنم دیا ہے
اس دن ___
آج سے ۲۵ برس پہلے سکوت نے مجھے زندگی کے وسیع
ہاتھوں کے سپرد کیا
جو پیکار اور کشمکش سے معمور ہے
دیکھو
میں نے ۲۵ دفعہ سورج کے گرد چکر لگایا ہے۔ لیکن معلوم
نہیں چاند نے میرے گرد کتنی بار گردش کی ہے
مگر میں یہ جانتا ہوں۔ کہ میں نے ابھی تک اُجالے کا بھید نہیں پایا
اور نہ میں اندھیرے کا راز معلوم کر سکا ہوں۔
میں ۲۵ دفعہ زمین۔ چاند۔ سورج اور ستاروں کے ساتھ کائنات
کے گرد گھوما ہوں
دیکھو

اب میری روح کائناتی نظاموں کا نام لیتی ہے
بعینہٖ اس طرح جس طرح غار سمندر کی موجوں کے تلاطم سے گونجتے
ہیں —!
کیونکہ روح کائنات کے سینہ میں ایک لہر بن کر رواں دواں ہے
لیکن اسے اپنی قوت کا احساس نہیں
وہ مدھم اور پنچم سُروں میں اپنا عالمگیر راگ گاتی ہے۔ لیکن اس
کا آہنگ ابھی تک ناتمام ہے
آج سے ۲۵ برس پہلے مادرِ ایام نے میرا نام اس عجیب اور پرہیب
زندگی کے دفتر میں لکھ دیا
دیکھو
میں صرف ایک لفظ ہوں۔ جو کبھی کچھ بھی نہیں اور کبھی سب کچھ
بن جاتا ہے۔
ہر سال اس روز میرے دل میں کیا خیالات اور یادیں جمع ہوتی ہیں
بیتے ہوئے دنوں کا جلوس اور رات کی موہوم شکلوں کا سوانگ
میرے سامنے آکر رک جاتا ہے۔ پھر کوئی چیز انہیں سمیٹ کر لے جاتی ہے
بعینہٖ اس طرح جس طرح ہوا افق سے بادلوں کو اڑا کر لے جاتی ہے
وہ میرے گھر کی تاریکی میں غائب ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ندیوں

کے نغمے سنسان اور دُور دراز وادیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔

اس دن ہر سال وہ رُوحیں جنہوں نے میری رُوح کی ساخت کی ہے مجھے دنیا کے بعید ترین گوشوں سے ڈھونڈھنے آتی ہیں۔ اور پُر افسوس یادیں اور دھیمی دھیمی نوائیں بلند کرتی ہیں پھر وہ رخصت ہو جاتی ہیں اور اپنا چہرہ اس اعتباری زندگی کے پیچھے چھپا لیتی ہیں۔ بالکل اس طرح جس طرح پرندے اس زمین پر اُترتے ہیں جہاں غلّہ کوٹا جا رہا ہو۔ اور وہاں کوئی دانہ نہ پا کر تھوڑی دیر میں پر پھڑپھڑاتے ہوئے کسی اور جگہ کو اُڑ جاتے ہیں۔

اس دن ماضی کے حقائق میرے سامنے دُھندلے آئینے بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ جنہیں میں کچھ دیر غور سے دیکھتا ہوں۔ لیکن مجھے لیل و نہار کے زرد چہروں کے سوا اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا اور مدّت کی بھُولی بسری اُمیدوں اور خوابوں کے مُرجھائے ہُوئے ملبوس چہرے کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔

میں پھر ان آئینوں پر نظر ڈالتا ہوں اور ان میں اپنا مانوس چہرہ دیکھتا ہوں۔ لیکن مجھے افسردگی کے سوا اور کچھ نظر نہیں دیتا۔

میں اس افسردگی سے سوال کرتا ہوں۔ لیکن یہ کوئی جواب نہیں دیتی۔ پھر بھی میرا خیال ہے۔ کہ اگر وہ کلام کر سکتی۔ تو اس کی آواز

مسّرت سے زیادہ دلنشیں ہوتی۔

میں نے ۲۵ برس بہت کچھ محبت بھی کی ہے۔ اور میں نے اکثر ان چیزوں سے چاہ پیدا کی ہے۔ جنہیں دُوسرے لوگ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

لیکن جن چیزوں کو میں بچپن میں چاہتا تھا۔ انہیں اب بھی چاہتا ہوں۔ اور جنہیں اب چاہتا ہوں ان کے ساتھ آخری دم تک محبّت کروں گا۔

کیونکہ میرے دل میں محبت ہے۔ اور کوئی طاقت مجھے اس سے جُدا نہیں کر سکتی۔

میں نے بسا اوقات موت سے بھی محبّت کی ہے۔ اور اسے پیارے ناموں سے پُکارا ہے۔ اور اسے جلوت اور خلوت میں محبّت بھرے الفاظ میں یاد کیا ہے۔

لیکن میں موت سے وفاداری کی قسموں کو نہیں بھولا۔ اور نہ ہی انہیں توڑا ہے۔

میں نے زندگی کے ساتھ بھی پیمانِ وفا باندھا ہے۔
کیونکہ موت اور زندگی میرے لئے حُسن اور مسّرت میں برابر ہیں۔
اُنہوں نے میری اُمیدوں اور تمنّاؤں کی نشو ونما میں برابر حصّہ

لیا ہے۔ اور میری محبّت اور شفقت کو مساوی طور پر تقسیم کیا ہے۔

میں نے آزادی سے بھی محبت کی ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح زندگی اور موت سے۔ اور جُوں جُوں میری محبّت نمو پذیر ہوتی گئی تُوں تُوں میری سُوجھ بُوجھ میں اضافہ ہوتا گیا۔ کہ انسان استبداد اور کینہ پروری کی زنجیروں میں کس قدر جکڑا ہُوا ہے۔

میں نے کچھ عرصہ ان بُتوں کو دیکھا۔ جو ازمنۂ قدیم میں تراشے گئے۔

جہالت میں پروان چڑھے۔

اور غلاموں کے ہونٹوں سے صیقل ہُوئے۔

لیکن اس کے باوجود مجھے ان غلاموں سے اسی قدر محبّت رہی ہے۔ جس قدر آزاد انسانوں سے۔ اور مَیں انہیں چشم کرم سے دیکھتا رہا۔

کیونکہ وہ بے بصر انسان ہیں۔ جو مکروہ اور خونخوار جانوروں کے جبڑوں کو چُومتے ہیں۔ اور نہیں دیکھتے۔

وہ زہریلے سانپوں کی لبیں چُوستے ہیں۔ اور اُسے محسُوس نہیں کرتے۔

وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودتے ہیں اور نہیں جانتے۔

مجھے آزادی سے بھی محبّت رہی ہے۔

آزادی میری نظروں میں ایک دوشیزہ ہے۔ جو دُکھ اور تنہائی سے اس قدر نزار و ناتواں ہوگئی ہے۔ کہ وہ سنسان بازاروں اور گھروں میں ایک رُوح کی طرح سرگرداں رہتی ہے اور جب وُہ راہگیروں کو پکارتی ہے۔ تو وُہ نہ اس کی بات سنتے ہیں۔ اور نہ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔

ان ۲۵ برسوں میں دُوسرے لوگوں کی طرح مجھے بھی شادمانی سے محبت رہی ہے۔

میں نے بھی ان کی طرح صبح سویرے اُٹھ کر مسرت کی تلاش کی ہے۔ لیکن میں نے کبھی اسے رہگذر میں نہیں پایا۔ اور نہ اُن کی عبادت گاہوں کے دریچوں سے اس کے گلبانگ کی صدائے بازگشت سُنی ہے۔

میں نے اپنی رُوح کو اپنے کان میں یہ کہتے ہوئے سُنا۔

"مسرت ایک دوشیزہ ہے۔ جو دل کے قلعے میں پیدا ہوتی ہے۔ وہیں پروان چڑھتی ہے اور اس چاردیواری سے باہر کبھی نہیں آتی۔"

لیکن جب میں نے اپنے دل کا دروازہ کھول کر اسے تلاش کیا تو میں نے اس میں اس کا آئینہ اور بستر اور ملبوسات دیکھے پر

اس کا اپنا نشان کہیں بھی نہ پایا۔
مجھے بنی آدم سے کبھی محبت رہی ہے۔ اور مجھے اپنے ہم جنسوں سے کبھی پیار رہا ہے۔

میری رائے میں انسان تین قسم کے ہیں۔
ایک وہ جو زندگی پر لعنت بھیجتے ہیں۔
دوسرے وہ جو اسے نعمتِ عظمےٰ خیال کرتے ہیں۔
تیسرے وہ جو اس پر سوچ بچار کرتے ہیں۔
میں پہلی قسم کے انسانوں سے ان کی دردناک حالت۔
دوسری قسم کے انسانوں سے ان کی نیک منشی۔
اور تیسری قسم کے انسانوں سے ان کی دانشمندی کے لئے محبت کرتا ہوں۔

اس طرح میری عمر کے ۲۵ سال گزر گئے۔ اور میرے دن اور راتیں زندگی کے راستے پر ایک دوسرے کا پیچھا کرتے رہے۔ بالکل اس طرح جس طرح درختوں کے پتے موسمِ خزاں کی تند ہواؤں کے سامنے بکھر جاتے ہیں۔

اور آج میں ان کی یاد تازہ کر رہا ہوں۔ جس طرح پہاڑ پر چڑھنے والا تھکا ماندہ مسافر چوٹی سے نصف فاصلہ پر رُک جاتا ہے۔

اور میں اپنے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتا ہوں۔ لیکن مجھے کہیں کبھی کوئی خزانہ نظر نہیں آتا۔ جس کے متعلق میں دعویٰ کر سکوں۔ کہ یہ میرا ہے ——————

نہ مجھے اپنی زندگی کے موسموں میں سفید کاغذ اور کینوس کے سوا کچھ دکھائی دیتا ہے۔ جن پر میں سیاہ روشنائی سے حروف لکھتا ہوں۔ یا ہم آہنگ یا غیر ہم آہنگ خطوں اور رنگوں سے عجیب و غریب اور نامکمل تصویریں بناتا رہا ہوں۔

ان نقوش میں میں نے اس حسن اور آزادی کو دفن کیا ہے۔ جس کا میں نے اپنے تخیل یا عالمِ خواب میں تصور کیا۔ جس طرح ایک دہقان جو کھیت کی لیکوں میں بیج بونے جاتا ہے۔ اور شام کو اپنے دل میں صدہا امیدیں اور توقعات لئے اپنے گھر واپس آتا ہے۔

لیکن اگرچہ میں نے اپنے دل کے بیج بہت اہتمام سے بوئے ہیں۔ پھر بھی نہ مجھے کوئی امید ہے اور نہ کوئی توقع۔

اور اب جبکہ میں اپنی زندگی کی اس منزل میں پہنچ چکا ہوں۔ مجھے زمانہ ماضی آہوں اور غموں کی دھند کے پیچھے چھپا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور مستقبل ماضی کے پردے میں سے آشکارا ہوتا ہے۔

میں اپنے چھوٹے سے دریچے کے پاس کھڑا ہو کر زندگی پر نظر

ڈالتا ہوں۔ اور لوگوں کے چہروں کو دیکھتا ہوں۔ اور ان کی آوازوں کو آسمان کی طرف بلند ہوتے ہوئے سنتا ہوں۔

مجھے ان کے پاؤں کی چاپ سُنائی دیتی ہے۔ اور میں ان کی رُوحوں کے ملاپ۔

ان کی آرزوؤں کے ہیجان اور دل کی اُمنگوں کا نظارہ دیکھتا ہوں۔

میں اس دریچے میں سے بچّوں کو ایک دوسرے پر دھول پھینکتے، کِھلکھلا کر ہنستے، اور چلّاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

میں لڑکوں کو اپنے چہرے اُوپر اُٹھائے دیکھتا ہوں۔ گویا وہ شباب کی تعریف میں قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ جو بادلوں کے کناروں پر مرقوم ہے۔ اور سُورج کی بصارت افروز روشنی سے منوّر ہے۔

میں نوخیز لڑکیوں کو درختوں کی ٹہنیوں کی طرح اِدھر اُدھر جُھومتے۔ پھُولوں کی طرح مسکراتے۔

اور محبت اور اشتیاق کی شدّت سے تھرتھراتے ہوئے کنکھیوں سے سرمستِ شباب نوجوانوں کو جھانکتے دیکھتا ہوں۔

میں معمر انسانوں کو اپنے عصاؤں کا سہارا لئے اور زمین پر نظریں گاڑے اپنی خم گشتہ کمر کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے دیکھتا ہوں۔ گویا ان کی دھندلی آنکھیں خاک میں کسی گم شدہ چمک دار ہیرے کی

تلاش کرتی ہوں۔

میں دریچے کے پاس کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اور ان تمام انسانوں کو شہر میں اِدھر اُدھر چلتے پھرتے دیکھتا ہوں۔

پھر میں شہر سے اِدھر غیر آباد جگہ پر نظر ڈالتا ہوں۔ اور میں اس کے پُر جلال حُسن، بلند ٹیلے۔

چھوٹی چھوٹی وادیاں۔

پھیلے ہُوئے پودے۔

کانپتی ہوئی گھاس۔

خوشبو سے لدے ہُوئے پھُول۔

گنگناتے ہُوئے دریا،

گاتے ہُوئے وحشی بکھیرو اور دھیمی لَے میں گاتی ہُوئی پَر دار مخلوق کو دیکھتا ہوں۔

میں ویرانے سے پرے جھانک کر دیکھتا ہوں۔ تو مجھے سمندر بے پایاں تحیّر، مبہوت کن اسرار اور مستور خزانوں سے مملو نظر آتا ہے۔

میں اس کے چہرے پر وہ تمام آثار دیکھتا ہوں۔ جو تند غضبناک، کف بر لب اور طوفانی پانیوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔

اور میں وہ جھاگ دیکھتا ہوں۔ جو اس کی سطح پر بلند ہوتی ہے۔

اور وہ بخارات دیکھتا ہوں جو بلندیوں سے نیچے اُترتے ہیں۔

میں سمندر سے پرے آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہوں۔ تو مجھے فضا کی بیکراں پہنائی۔

متحرک دُنیائیں۔

اجرامِ فلکی کے جھرمٹ۔

سُورج چاند

اور ثابت و سیار ستارے نظر آتے ہیں۔

اور مجھے ان قوتوں کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ جو ایک دُوسرے کو کھینچتی یا رد کرتی ہیں۔

میں عناصر کی کشمکش کو دیکھتا ہوں۔ جو تخلیق کرتے اور بدلتے ہیں۔ اور اُس کے باوجود ایک عالمگیر قانون کی زنجیر میں گرفتار ہیں جس کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔

میں ان چیزوں کو اپنے چھوٹے سے دریچے میں سے دیکھتا ہوں۔ اور اپنی عمر کے گذشتہ ۲۵ برس بھول جاتا ہوں۔

اور ازمنہ قدیم کو اور آنے والے زمانوں کو بھی۔

تب میری زندگی اپنے تمام اسرار اور حقائق کے ساتھ ایک بچے کی سسکی معلوم ہوتی ہے۔ جو ابدی گہرائیوں اور بلندیوں کے

ماہیں کانپتی ہے۔

لیکن یہ ذرہ ——— یہ ہستی ——— جسے میں خودی کہتا ہوں۔

ہر وقت ایک آشوب اور ہنگامہ بپا رکھتی ہے۔ یہ اپنے پروں کو آسمان کی وسیع پہنائیوں کی طرف بلند کرتی ہے۔

اپنے ہاتھ دنیا کے تمام گوشوں کی طرف پھیلاتی ہے۔ اور اس کا جسم زمانہ کی نوک پر تلا کھڑا ہے۔ جس نے اسے زندگی بخشی۔

تب دیارِ قدس کی لاہوتی فضا سے جہاں یہ زندہ شرار مقیم ہے۔ ایک آواز پکار پکار کر کہتی ہے:۔

"اے زندگی تجھ پر رحمت ہو ———

اے بیداری تجھ پر رحمت ہو ———

اے شعورِ ذات تجھ پر رحمت ہو ———

اے دن تجھ پر رحمت ہو۔ جس کے بے پایاں نور نے کائنات کی تاریکی کو گھیر رکھا ہے۔

اے رات تجھ پر رحمت ہو۔ جس کی تاریکی سے آسمانی نور کا پتہ چلتا ہے۔

اے بہار تجھ پر رحمت ہو۔ جو زمین کو شبابِ تازہ عطا

کرتی ہے۔

اے موسمِ گرما تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو آفتاب کے جاہ و جلال میں اضافہ کرتا ہے۔

اے خزاں تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو محنت کا پھل اور مشقت کا ثمر عطا کرتی ہے۔

اے سرما تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو طوفانوں سے قدرت کی مٹی ہوئی قوت کو جِلا دیتی ہے۔

اے دَورِ زماں تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو لیل و نہار کے مستور خزانوں کا انکشاف کرتا ہے۔

اے رُوح تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو زندگی کی عنان کو جسے سُورج ہماری نظروں سے چھپائے رکھتا ہے۔ نہایت خوش اسلوبی سے تھامے رکھتی ہے۔

اے دل تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو غم کے طوفان میں غرق ہونے کے باوجود امن و صلح کا حدی خواں ہے۔

اے ہونٹو۔ تم پر رحمت ہو۔ کیونکہ تم تلخ گھونٹ پیتے ہوئے بھی صلحِ کل کا نام لیتے ہو۔

(پیرس - ۶ رجنوری ۱۹۰۸ء)

معبد کے دروازے پر

میں نے اپنے ہونٹ مقدس آگ سے پاک کیے۔ تاکہ میں محبت کے متعلق کلام کروں۔

لیکن جب میں نے اپنے ہونٹ کھولے۔ تو میں کوئی بات نہ کر سکا۔

جب میں محبت سے نا آشنا تھا۔ تو میں محبت کے گیت گایا کرتا تھا۔

لیکن جب میں محبت سے آشنا ہوا۔ تو الفاظ میرے منہ میں موجِ ہوا بن کر رہ گئے۔ اور وہ نغمے جو میرے سینے میں بیتاب تھے سکوت ہی میں غرق ہو کر رہ گئے۔

اس سے پہلے اگر تم مجھ سے محبت کے اسرار و رموز کے متعلق سوال کرتے۔ تو میں تمہیں پورے یقین کے ساتھ جواب دیتا۔

مگر اب جب کہ محبت نے مجھے اپنے دامن میں ڈھانپ لیا ہے۔ میں تمہارے سامنے آتا ہوں۔ تاکہ تم سے محبت کے طور و طریق اور

اس کے اسرار کے متعلق استفسار کروں۔

تم میں سے کون ہے۔ جو میرے سوالات کا جواب دے؟

میں تم سے اپنے اور اس چیز کے متعلق جو میرے سینے میں ہے پوچھنے آیا ہوں۔

تم میں سے کون ہے۔ جو میرے مافی الضمیر کو میرے دل اور میرے نفس کو میرے شعور پر ظاہر کرے۔

اب مجھے بتاؤ۔ کہ میرے سینے میں یہ کیسی آگ جل رہی ہے؟ جس نے میری قوت زائل کر دی ہے۔ اور میری اُمیدوں اور آرزوؤں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے؟

یہ کس کے نرم و نازک۔ پیارے اور خوشنما ہاتھ ہیں۔ جو میری رُوح کو تنہائی کے لمحوں میں اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں۔ اور میرے دِل کے ساغر میں مسرت کی تلخی اور درد کی مٹھاس کی ملی جُلی شراب اُنڈیل دیتے ہیں۔

یہ کیسے شاہ پر ہیں۔ جو رات کے بے پایاں سکوت میں میرے بستر کے گرد پھڑپھڑا رہے ہیں۔ جن کی جُنبش سے میں رات بھر بیدار رہتا ہوں۔ اور معلوم نہیں کس کا انتظار کرتا ہوں۔

میں اس آواز کی طرف دھیان دیتا ہوں۔ جسے میں سُننے سے

قاصر ہوں۔

اور جو نظر نہیں آتا۔ اسے دیکھ رہا ہوں۔

اور جسے ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کے متعلق غور و فکر کرتا ہوں۔

رات ہے اور مجھے نیند نہیں آتی۔

میں لمبی آہیں بھرتا ہوں۔ کیونکہ میرے لئے آہیں اور نالے ——— مسکراہٹوں اور قہقہوں سے کہیں زیادہ خوش آئند ہیں۔

میں ایک نامعلوم قوت کی گرفت میں ہوں۔ جو مجھے ہر لمحہ ذبح کرتی ہے اور پھر جِلاتی ہے۔ یہاں تک کہ صبح اُفق مشرق پر طلوع ہوتی ہے۔ اور میرے رَین بسیرے کو نُور سے بھر دیتی ہے۔ پھر میں سو جاتا ہوں۔ لیکن میری تھکی ہوئی پلکوں میں شب بیداری کے سائے لہراتے رہتے ہیں۔ اور میرے سنگین بستر کے گرد ایک سپنا گھومتا رہتا ہے۔

تو پھر یہ شے جسے ہم محبت کہتے ہیں۔ کیا ہے؟

مجھے بتاؤ ——— ہماری اس پرچھائیں سی زندگی کی تہ میں کیا راز ہے۔ جو انسانی وجود کے قلب و رُوح میں جاگزیں ہے؟

یہ عظیم الشان آزادی کیا ہے۔ جو تمام اسباب کی عِلّت اور تمام علل کا سبب ہے؟

یہ قوّت کیا ہے۔ جو موت اور زندگی کو آپس میں مجتمع کرتی ہے۔ اور ان سے ایک ایسا خواب پیدا کرتی ہے۔ جو زندگی سے بھی زیادہ عجیب اور موت سے بھی زیادہ عمیق ہے؟

میرے بھائیو! ——— بتاؤ۔ جب محبت کی سفید انگلیاں تمہاری رُوح کو مَس کریں گی۔ تو تم میں سے کون ہے۔ جو زندگی کے اس رنگین خواب سے جاگ نہ اُٹھے گا؟

تم میں سے کون ہے۔ جو اپنے ماں باپ اور وطن کو خیر باد نہ کہے گا۔ جب تمہاری محبوبہ تمہیں اپنی طرف بُلائے ———؟

تم میں سے کون ہے۔ جو اس محبوبہ کی تلاش میں جس کے لئے تمہاری رُوح بے قرار ہے۔ صحراؤں کو عبور نہ کرے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے نہ گزر جائے۔ اور سمندروں کی طوفانی موجوں کے سامنے سینہ سپر نہ ہو!

وہ کونسا نوجوان ہے۔ جو دُنیا کے انتہائی کنارے تک نہ پہنچے۔ جب وہاں ایک ایسی ساحرہ اس کی منتظر ہو۔ جس کی سانس ——— آواز اور لمس میں ایک لطیف رس اور رُوح افروز کیفیت مضمر ہے۔

کون ہے جو اپنی رُوح کو اس دیوی کے آسمانی شعلے پر لوبان کے طور پر نہ جلائے جو اس کی دعاؤں کو مستجاب اور اس کی آرزوئے دل

کو پُورا کرتی ہے۔

ابھی کل ہی میں ایک معبد کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اور تمام راہگیروں سے محبّت کے بھیدوں اور اسرار کے متعلق سوال کر رہا تھا۔

ایک ادھیڑ عمر شخص گزرا۔ اور اُس نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر کہا:۔

"محبّت ایک جبلی کمزوری ہے جسے ہم نے ابوالبشر سے وراثت کے طور پر حاصل کیا۔"

پھر ایک مضبوط اور وجیہہ جوان جس کے بازوؤں میں دیوتاؤں کی سی توانائی تھی۔ یہ ترانا گاتا ہوا گزرا:۔

"محبّت ایک عزم ہے۔ جو ہماری زندگی کا ہم رکاب ہے۔ اور ماضی کو مستقبل کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔"

اور اس کے بعد ایک غمگین عورت آہیں بھرتی ہوئی گزری اور اُس نے کہا:۔

"محبّت وہ زہر ہے۔ جسے خوفناک سانپ جہنّم کی گہرائیوں سے اس فضا میں اُگلتے ہیں اور یہ زہر پیاسی رُوحوں پہ برس کر انہیں کچھ دیر کے لئے مخمور بنا دیتا ہے

اور پھر وہ کچھ دیر سنبھل کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتی ہیں"۔

پھر ایک نوجوان لڑکی جس کا چہرہ پھول کی طرح سُرخ تھا۔ مُسکراتی ہوئی آئی اور کہنے لگی :۔

"محبت ایک امرت ہے۔ جسے صبح کی دلہنیں شہ زور مردوں کے لئے برساتی ہیں۔ تاکہ رات کو ستارے ان کے سامنے سرنگوں ہوں۔ اور دن کا آفتاب انہیں شاداں رکھے"۔

اس کے بعد ایک شخص آیا۔ جو سیاہ لبادہ اوڑھے ہوئے تھا اور اس کی لمبی داڑھی اس کی چھاتی پر بکھری ہوئی تھی اُس نے بے حد متانت آمیز لہجہ میں کہا :۔

"محبت ایک نادانی ہے۔ جو شباب کی صبح کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔ اور شام کے ساتھ رُخصت ہو جاتی ہے"۔

اس کے پیچھے ایک اور شخص آیا۔ جس کا نکھرا ہُوا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اُس نے بہت سکون اور اطمینان کے بعد یہ ترانہ بلند کیا :۔

"محبت ایک آسمانی حکمت ہے۔ جو ظاہر کی آنکھ اور

دل کی آنکھ کو زندگی بخشتی ہے۔ تاکہ ہم ہر چیز کو دیوتاؤں کی طرح دیکھنے لگ جائیں۔"

پھر ایک اندھا زمین پر اپنی لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا۔ اور اُس نے اس طرح آواز بلند کی۔ گویا فریاد کر رہا ہو۔

"محبت ایک کثیف دُھند ہے۔ جو رُوح کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور زندگی کے مناظر کو اس کی نظروں سے چھپا دیتی ہے۔ جس کے سبب وہ پتھریلی چٹانوں میں گم ہو کر اپنی آرزوؤں کے سایوں کے سوائے اور کچھ نہیں دیکھتی۔ اور وحشت و بربادی کی وادیوں سے اپنی آواز کے سوائے اور کسی چیز کی صدائے بازگشت نہیں سُنتی"

پھر ایک نوجوان رُباب بجاتا ہوا گزرا اور اس کے ہونٹوں پہ یہ گیت تھا:۔

"محبت ایک آسمانی نور ہے۔ جو دل کی تہ سے بلند ہو کر گردوپیش کی تمام چیزوں کو منوّر کرتا ہے۔ تاکہ رُوح تمام دُنیاؤں کا اس طرح نظارہ کرے گویا اس کے سامنے رنگین سبزہ زاروں پہ ایک جلوس گزر رہا ہے اور زندگی ایک بیداری اور دوسری بیداری کے مابین حُسن و جمال کا ایک سہانا خواب ہے۔"

اور اس نوجوان کے بعد ایک ضعیف انسان لڑکھڑاتا اور کانپتا ہوا آیا۔ اور کہنے لگا:۔

"محبت ایک کمزور و ناتواں جسم کا وہ سکون ہے۔
جو اسے ایک خاموش مرقد میں حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ
پناہ ہے۔ جو اسے حیات بعد الموت کے حصار میں نصیب
ہوتی ہے۔"

پھر ایک پانچ سال کا بچہ آیا۔ اور اس نے تیزی سے دوڑتے ہوئے بلند آواز میں کہا:۔

"محبت میری ماں ہے۔ اور محبت میرا باپ ہے۔
اور میرے ماں باپ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کہ محبت کیا ہے۔"

اب دن ختم ہو چکا تھا۔ اور تمام لوگ معبد کے سامنے سے گزر چکے تھے۔ ان لوگوں نے محبت کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا۔
انھوں نے اپنی اپنی امنگوں اور آرزوؤں کا ذکر کیا۔ اور زندگی کے سربستہ راز آشکار کئے۔

شام کا دھندلکا چھا جانے پر تمام لوگ اپنی اپنی راہ پر چلے گئے۔ اور ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ تو میں نے معبد میں سے ایک آواز سنی:۔

"زندگی دو چیزوں کا نام ہے

ایک منجمد دریا اور دوسری بھڑکتا ہوُا شعلہ
بھڑکتا ہوُا شعلہ محبّت ہے"۔

اس وقت میں بھی معبد میں داخل ہوُا۔ اور جھک کر زمین پر گھٹنے ٹیکتے ہوئے اپنے دل کی گہرائیوں سے دُعا بلند کی۔

"اے پروردگار مجھے اس بھڑکتے ہوئے شعلہ کی خوراک بنا
اے کارساز مجھے اس مقدّس آگ کا ایندھن بنا"

——— آمین

شاعر

مَیں اس دُنیا میں ایک جلاوطن ہُوں۔
بے یار و مددگار ــــــ اور اپنی تنہائی کا ستایا ہُوا
یہ تنہائی میرے خیالات کو ایک طلسمی اور انجان مملکت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور میرے خوابوں کو ایک دُور دراز اور ان دیکھے خطّے کی چھاؤں سے معمور کر دیتی ہے۔
میں ایک پردیسی ہوں۔ جو اپنے عزیزوں اور ہم وطنوں سے دُور رہے۔ اور اگر میں ان میں سے کِسی کو مِلا۔ تو میں اپنے دل میں کہوں گا۔
یہ کون ہے؟ اور میں اسے کہاں مِلا ہوں۔
میرا اس کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ اور میں کیوں اس کے قریب بیٹھنا چاہتا ہوں۔
میں خود اپنے آپ سے بیگانہ ہوں۔ اور جب میں اپنی زبان کو بولتے ہوئے سُنتا ہوں۔ تو میرے کانوں کو میری آواز ناآشنا معلوم ہوتی ہے۔

بعض اوقات میں اپنے دل میں جھانکتا ہوں۔ اور اپنے نفس کو
دیکھتا ہوں۔
ایک چھپے ہوئے نفس کو۔
جو ہنستا ہے اور روتا ہے۔
جرأت کرتا ہے اور ڈرتا ہے۔
تب میرا وجود میرے وجود پر تعجب کرتا ہے۔
اور میری رُوح میری اپنی رُوح سے سوال کرتی ہے۔
پھر بھی میں اپنے آپ سے ناآشنا ——
کہر میں کھویا ہُوا
اور سکوت میں گھرا ہُوا ہوں۔
میں اپنے جسم سے بھی بیگانہ ہوں۔ اور جب میں آئینے کے
سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔
تو دیکھو میرے چہرے میں کچھ ایسی بات ہے۔ جو میری رُوح
نے نہیں دیکھی۔
اور میری آنکھوں میں وہ چیز ہے۔ جو میرے دل کی گہرائی
میں نہیں۔
جب میں شہر کے کوچہ و بازار میں چلتا ہوں۔ تو بچے میرے

پیچھے چلاتے ہیں۔ کہ دیکھو۔

"یہ ایک اندھا ہے۔

آؤ۔ ہم اسے سہارا لینے کے لئے ایک عصا دیں"

اور میں ان سے بھاگ جاتا ہوں۔

مجھے لڑکیوں کا ایک گروہ ملتا ہے۔ اور وہ میرے دامن کے ساتھ چمٹ کر یہ گیت گاتی ہیں:۔

"یہ ایک چٹان کی طرح بہرا ہے

آؤ۔ اس کے کانوں کو عشق و محبّت کے نغموں سے بھر دیں"

تو میں ان سے بھی بھاگ اٹھتا ہوں۔

اور جب میں ادھیڑ عمر کے لوگوں کو بازار میں ملتا ہوں۔ تو وہ میرے گرد اکٹھے ہو کر چلاتے ہیں۔ کہ

"یہ ایک مقبرے کی طرح گونگا ہے۔

آؤ۔ اس کی ٹیڑھی زبان کو سیدھا کریں"

اور میں ان سے ڈر کے مارے جلد گزر جاتا ہوں۔

اور اگر میں عمر رسیدہ انسانوں کے پاس سے گزرتا ہوں۔ تو وہ اپنی کانپتی ہوئی انگلیوں سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ

یہ وہ پاگل ہے۔ جس کے حواس جنّوں اور بھوتوں کے ہاتھوں مختل ہو چکے ہیں۔

میں اس دُنیا میں ایک پردیسی ہوں۔
کیونکہ میں نے اس زمین پر مشرق سے لے کر مغرب تک سفر کیا ہے۔ لیکن مجھے کہیں اپنا دیس دکھائی نہیں دیا۔
نہ کوئی شخص مجھے جانتا ہے اور نہ میرے نام سے واقف ہے۔
میں ہر صبح بیدار ہو کر اپنے آپ کو ایک تاریک غار میں مقیّد پاتا ہوں۔
جس میں مجھے اُوپر کی طرف سے سانپ ڈراتے ہیں۔ اور دیواریں اور فرش رینگتی ہوئی چیزوں سے بھرے پڑے ہیں۔
جب میں باہر کی روشنی تلاش کرتا ہوں۔ تو میرے سائے میرے آگے رواں ہوتے ہیں۔
کس طرف ؟
یہ مجھے معلوم نہیں۔
وہ اس چیز کی تلاش کرتے ہیں۔ جسے میں نہیں سمجھتا۔
اور ان اشیا کو گرفت میں لاتے ہیں۔ جن کی مجھے ضرورت نہیں۔

جب شام ہوتی ہے۔ اور میں واپس گھر لوٹ کر اپنے کانٹوں، اور پروں کے بستر پہ لیٹ جاتا ہوں۔

تو عجیب وغریب خیالات میرے دل کو لبھاتے ہیں۔ اور آرزوئیں اپنی مسرّتوں اور کاہشوں کے ساتھ مجھے گھیر لیتی ہیں۔

آدھی رات کو گزرے ہوئے زمانوں کے سائے دستک دیتے ہیں۔

اور بھولے بسرے خطّوں کی رُوحیں میرے پاس آتی ہیں۔

وہ میری طرف دیکھتی ہیں۔ میں بھی انہیں غور سے دیکھتا ہوں اور اُن سے بات چیت کر کے پُرانی باتیں پوچھتا ہوں اور وہ میرے سوالوں کا نہایت تلطف اور خندہ پیشانی سے جواب دیتی ہیں۔

لیکن جب میں انہیں پکڑ کر تھامنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تو وہ میرے ہاتھ سے نکل جاتی ہیں اور اسی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔

گویا وہ ہوا کے سینہ پہ پیچ وتاب کھاتا ہُوا ایک دھُواں ہیں۔

میں اس دُنیا میں ایک اجنبی ہوں۔ کوئی شخص میری رُوح کی بولی نہیں سمجھتا۔

مَیں ویرانے میں جاتا ہوں اور ندیوں کو فرازِ کوہ سے وادی کے نشیب میں گرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

میری آنکھوں کے سامنے بے برگ و بار درخت لہلہا اُٹھتے ہیں۔
اور خشک پتّوں کو جھاڑ کر پھل پھول لے آتے ہیں۔
اور میری نظروں میں ان کی ٹہنیاں نیچے کی زمین پر گر پڑتی ہیں۔
اور کالی ناگنیں بن کر رینگنے لگ جاتی ہیں۔
اور یہ سب کچھ ایک لحظہ میں ہو جاتا ہے۔
میرے خواب کچھ عجیب سے ہیں۔
کسی انسان نے ایسے خواب نہیں دیکھے۔
میں پرندوں کو نمودِ سحر کے سامنے گاتے اور پھر انہیں چیختے اور چلّاتے ہوئے سُنتا ہوں۔
میں انہیں نیچے اُترتے اور لمبے لمبے کھُلے ہوئے بالوں والی برہنہ عورتوں کا رُوپ دھارتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ جو مجھے محبت کی خاطر سُرمہ سے تیز کی ہوئی پلکوں سے دیکھتی ہیں۔
اور شہد سے تر کئے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ہنستی ہیں۔
اور اپنے سفید ہاتھوں کو جو خوشبو اور حنا سے معطّر ہیں میری طرف بڑھاتی ہیں۔
اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے کہر کی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔ اور فضا میں اپنے طنزیہ قہقہوں کی گونج چھوڑ جاتی ہیں۔

میں اس دنیا میں ایک پردیسی ہوں۔

میں ایک شاعر ہوں۔

جو اشعار میں ان چیزوں کو جمع کرتا ہوں۔ جنہیں زندگی نثر میں
فراہم کرتی ہے۔

اور میں نثر میں ان چیزوں کو نشر کرتا ہوں۔ جنہیں زندگی
اشعار میں جمع کرتی ہے۔

اس لئے میں ایک جلاوطن ہوں۔

پردیسی اور اجنبی۔ اور اُس وقت تک پردیسی رہوں گا۔
جب تک موت مجھے اُوپر نہ اُٹھا لے اور مجھے روحستان میں
نہ لے جائے۔

اے میری ماں کے بیٹو

مجھ سے کیا چاہتے ہو تم اے میری ماں کے بیٹو

کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے بے کار وعدوں کے ایسے محل تعمیر کروں جو صرف خوبصورت باتوں سے آراستہ ہوں اور جن پہ محض خوابوں کی چھتیں ڈالی گئی ہوں یا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ہر اُس عمارت کو پیوندِ خاک کر کے رکھ دُوں جو مکّار اور بزدل انسانوں نے تعمیر کی اور ایسے میناروں کو نیست ونابود کر دُوں جنہیں بدفطرت اور خبیث لوگوں نے بنایا

کیا چاہتے ہو تم

آخر میں کیا کروں میری ماں کے بیٹو

کیا تم چاہتے ہو۔ کہ تمہیں خوش کرنے کے لئے کبوتروں کی طرح غٹرغوں کروں یا اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لئے شیروں کی طرح دھاڑوں۔

مَیں نے تمہارے سامنے گیت گائے پر تم نہ ناچے۔

میں نے تمہارے سامنے نوحہ خوانی کی لیکن تم نہ روئے۔
تو کیا تم چاہتے ہو کہ بیک وقت میں خوشی کے گیت بھی گاؤں اور نوحہ خوانی بھی کروں۔

تمہارے نفس بھوک سے پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ حالانکہ معرفت کی روٹی وادیوں کے پتھروں سے بھی زیادہ ہے لیکن تم نہیں کھاتے۔
تمہارے دل پیاس سے نڈھال ہیں اور زندگی کی رَو تمہارے گھروں کے آس پاس ندیوں کی طرح بہہ رہی ہے لیکن تم پیتے کیوں نہیں۔

سمندر میں مدّ و جزر ہے۔ دل میں اُتار چڑھاؤ ہے۔ موسم میں گرمی سردی ہے لیکن سچائی نہ پھرتی ہے نہ زوال پذیر ہوتی اور نہ ہی بدلتی ہے پھر تم سچائی کا چہرہ بگاڑتے کیوں ہو۔
میں نے تمہیں رات کی خاموشیوں میں پکارا۔ تاکہ تمہیں چاند کا حُسن اور ستاروں کی عظمت دکھاؤں پر تم اپنے بستروں سے ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تم نے تلواروں کو تھام لیا اور اپنے تیر سنبھال لیے اور تم چیخے کہاں ہے دشمن۔ تاکہ ہم اس کے ٹکڑے اُڑا دیں مگر جب صبح ہوئی دشمن اپنے لاؤ لشکر سمیت آ دھمکا۔
میں نے تمہیں پکارا مگر تم نے اپنے تکیوں سے سر بھی نہ اُٹھائے

بلکہ خوابوں کی افواج سے مغلوب ہو کر رہ گئے۔

میں نے تمہیں کہا۔ کہ آؤ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں تاکہ میں تمہیں دُنیا کے ملک دکھاؤں۔ تو تم نے جواب دیا۔

ہمارے باپ دادا نے اسی وادی کے نشیب و فراز میں زندگیاں بسر کیں اور اسی دامن کے سائے میں مر گئے اور اسی کی غاروں میں انہیں سپردِ خاک کیا گیا پھر ہم کس طرح اس وادی کی گہرائیوں کو چھوڑ کر وہاں جائیں جہاں ہمارے باپ دادا نہ گئے۔

میں نے تم سے کہا۔ کہ آؤ میدانوں کی طرف چلیں تاکہ میں تمہیں سونے کی کانیں اور زمین کے خزانے دکھاؤں تو تم نے جواب دیا۔

میدانوں میں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ درپیش ہے۔

میں نے کہا۔ آؤ ساحل کی طرف چلیں جہاں سمندر اپنی خیرات بانٹتا ہے تو تم نے کہا۔

موجوں کے تھپیڑے ہماری رُوحوں کو خوفزدہ کر دیتے ہیں اور سمندر کی گہرائیوں کے ہنگامے ہمارے جسموں کو مُردہ کر دیتے ہیں۔

میں تم سے محبت کرتا تھا اے میری ماں کے بیٹو

مگر محبت نے مجھے نقصان پہنچایا اور تمہیں بھی کوئی نفع نہ دیا۔

لیکن آج میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔

نفرت وہ سیلاب ہے جو سوکھی ٹہنیوں کے سوا کچھ بہا کر نہیں لے جاتا اور بوسیدہ مکانوں کے سوا کسی کو منہدم نہیں کرتا۔

میں تمہاری کمزوری پر ترس کھاتا ہوں اے میری ماں کے بیٹو۔ شفقت ضعیفوں میں اضافہ کرتی ہے اور کمزوروں کی تعداد بڑھاتی ہے۔ اور زندگی میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتی۔

آج جب میں تمہیں کمزور دیکھتا ہوں تو میرا رُواں رُواں کانپ اُٹھتا ہے اور تمہیں دیکھ کر میرا دل تھم تھم جاتا ہے۔

میں تمہاری رقّت اور انکساری پر روتا ہوں اور میرے آنسو بلّور کی طرح صاف وشفّاف تھے۔ لیکن وہ تمہارے میلے کچیلے داغوں کو نہ دھو سکے اُنہوں نے میری آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا۔ پر تمہارے پتھروں ایسے سینے نرم نہ ہوئے البتہ میرے دل سے دردمندی کو بھی لے گئے۔

آج میں تمہارے دردوں پر ہنستا ہوں اور ہنسی وہ ونڈناتی ہوئی گرج ہے جو آندھیوں سے پہلے آتی ہے لیکن بعد میں نہیں۔

مجھ سے کیا چاہتے ہو تم اے میری ماں کے بیٹو۔

کیا تم چاہتے ہو۔ کہ میں تمہارے چہروں کے نقوش پانی کے حوضوں میں دکھاؤں۔

آؤ دوڑتے ہوئے آؤ اور دیکھو کہ تمہارے چہرے کتنے

بھدے ہیں۔

آؤ اور سوچو۔

خوف نے تمہارے سر کے بالوں کو راکھ ایسا بنا دیا ہے۔

شب بیداریوں نے تمہاری آنکھوں کو تاریک گڑھوں جیسا

بنا دیا ہے۔

کمزوری اور بزدلی نے تمہارے گالوں پر جھرّیاں ڈال دی ہیں۔

اور تمہارے چہرے موت سے پہلے خزاں کے پتّوں کی طرح

زرد پڑ گئے ہیں۔

مجھ سے کیا مانگتے ہو اے میری ماں کے بیٹو۔

تم زندگی سے کیا چاہتے ہو۔

زندگی تمہیں اپنے بیٹوں میں شمار کرتی ہے پر تمہاری رُوحیں

کاہنوں اور ساحروں کے پنجوں میں گرفتار ہیں۔

تمہارے جسم سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں میں تڑپ رہے ہیں۔

تمہاری آبادیاں دشمنوں اور فاتحوں کے پاؤں تلے لرز رہی ہیں۔

تم سورج کے سامنے کھڑے ہو کر کس چیز کے اُمیدوار ہو۔

تمہاری تلواریں صدیوں سے کند ہیں اور تمہارے تیر ٹوٹے

ہوئے ہیں۔ اور تمہارے بڑا لیے کیچڑ سے لتھڑے ہوئے ہیں تو
پھر تم جنگ اور خونریزی کے میدان میں کیوں کھڑے ہو۔

تمہارا دین ایک دکھاوا ہے

تمہاری دُنیا جھوٹے دعوے ہیں اور تمہاری آخرت خاک کے
اُڑتے ہوئے ذرّے ہیں۔ تو پھر تم جینے کیوں ہو۔ موت بدبختوں کی
راحت کا سامان ہے۔

زندگی ایک اٹل ارادہ ہے جو جوانی کا رفیق ہے۔
ایک کوشش ہے جو عمر کے کمزور حصّے کے ساتھ ہے۔
اور دانائی ہے جو بڑھاپے کے تابع ہے۔
لیکن تم اے میری ماں کے بیٹو۔
تم بوڑھے اور کمزور پیدا ہوئے پھر تمہارے سر چھوٹے ہوتے
گئے اور تمہاری کھالیں سُکڑتی گئیں یہاں تک کہ تم بچے بن گئے۔
تم مشکلات میں ایک دُوسرے سے مُنہ پھیر لیتے ہو اور ایک دُوسرے
پر پتھر برساتے ہو۔

انسانیّت ایک شفاف ندی ہے جو اُچھلتی، کودتی اور گاتی ہوئی
آتی ہے اور پہاڑیوں کے راز سمندروں کی گہرائیوں تک لے جاتی ہے۔
لیکن تم اے میری ماں کے بیٹو

وہ بدبودار جوہڑ ہو جن کی تہوں میں کیڑے مکوڑے پلتے ہیں
اور ان کے کنارے پر کالے ناگ کنڈلیاں مارے بیٹھے ہیں۔

خودی!

خودی وہ چمکدار اور اوپر کو اُٹھتا ہُوا شعلہ ہے جو سُوکھی لکڑیوں
کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔

ہوا لگنے سے تیز ہو جاتا ہے اور دیوتاؤں کے چہروں کو منوّر
کرتا ہے۔

لیکن تمہاری خودی اے میری ماں کے بیٹو
وہ راکھ ہے جسے ہوائیں اُڑا کر برف کے تودوں پر ڈال دیتی
ہیں اور جسے آندھیاں ویرانوں میں بکھیر دیتی ہیں۔
میں تم سے نفرت کرتا ہوں اے میری ماں کے بیٹو
کیونکہ تم بزرگی اور عظمت سے نفرت کرتے ہو
میں تمہیں حقیر سمجھتا ہوں
کیونکہ تم اپنی خودی کو حقیر سمجھتے ہو
میں تمہارا دشمن ہوں
کیونکہ تم اللہ کے دشمن ہو
لیکن تم نہیں جانتے

رات

اے رات
شاعروں
عاشقوں
اور مغنّیوں کی مونس،
اے رات
جس میں سائے رُوحوں اور سپنوں کے ساتھ آباد ہیں!
اے رات
جو ہماری آرزوؤں، اُمنگوں اور یادوں کو اپنے آغوش میں
لے لیتی ہے۔
اے رات

تو ایک عظیم الجثہ دیو ہے۔ جو شام کے چھوٹے چھوٹے بادلوں اور صبح کی دُلہنوں کے مابین خوف و دہشت کی تلوار لگائے، چاند کا تاج اور خاموشی کا لباس پہنے کھڑا ہے۔ اور جو ہزارہا آنکھوں سے

زندگی کی گہرائیوں کو دیکھتا ہے۔ اور ہزار ہا کانوں سے فنا اور مایوسیوں کی آہوں اور سسکیوں کو سنتا ہے۔

یہ تیری ہی تاریکی ہے اور رات! جس سے ہمیں آسمانی نور کا سراغ ملتا ہے۔ کیونکہ دن کی روشنی نے ہمیں زمین کی تاریکیوں میں محصور کر رکھا ہے۔

اے رات! یہ تیرا ہی قول ہے۔ جو ہماری بصیرت کو ابدیت سے روشناس کراتا ہے۔ کیونکہ دن کی نمود ہمیں زمان و مکان کی وسعت میں اندھوں کی طرح جکڑے ہوئے ہے۔

اور رات! یہ تیری ہی پُر سکون خاموشی ہے۔ جو ہمیشہ بیدار اور بے چین رہنے والی رُوحوں کا بھید ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ دن ایک ہیجان خیز غوغہ آرائی ہے۔ جس میں رُوحیں ہوا و ہوس کے تیز سُموں کے نیچے دب کر رہ جاتی ہیں!

اے رات! تو ایک گلہ بان ہے۔ جو نیند کے بارے میں غریب کے خوابوں اور امیروں کی اُمیدوں کو جمع کرتی ہے۔

اور رات! تو وہ ساحرہ ہے۔ جو اپنی پُر اسرار انگلیوں سے تباہ حال انسانوں کی پلکیں بند کرتی ہے۔ اور ان کے دلوں کو ایک ایسی دُنیا میں لے جاتی ہے۔ جو اس دُنیا سے زیادہ مہربان ہے۔

اے رات! تیرے سیاہ لبادے کے شکنوں میں عشاق کو پناہ ملتی ہے۔ اور تیرے ان پاؤں میں جو شبنم سے تر ہیں، فرقت زدہ لوگوں نے آنسو بہائے ہیں۔ اور تیری ہتھیلیاں جو کھیتوں اور انگوروں کے باغوں کی مہک سے معطر ہیں، اجنبیوں نے اپنی بے چینیوں اور مایوسیوں کو دفن کیا ہے۔

تُو عاشقوں کی مُونس، تنہا لوگوں کی رفیق اور خانماں برباد انسانوں کی میزبان ہے اور رات!

تیرے گہرے سائے میں شاعر کے افکار مچلتے ہیں، تیرے دامن میں پیغمبروں کا دل بیدار ہوتا ہے۔ اور تیری پیشانی پر تخیل کے نقوش اُبھرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ تو شاعر کے لئے شہنشاہ، پیغمبر کے لئے ایک رویا، اور مفکر کے لئے ایک دمساز ہے اے رات!

جب میری رُوح لوگوں سے اُکتا گئی۔ اور میری آنکھیں دن کے چہرے کو تکتے تکتے تھک گئیں۔ تو میں دُور دراز کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ جہاں ازمنۂ قدیم کے سائے خوابیدہ تھے،

میں وہاں ایک تاریک اور خاموش ہستی کے سامنے کھڑا رہا۔ جو ہزارہا پاؤں کے ساتھ پہاڑوں اور وادیوں میں محوِ خرام تھی۔

میں تاریکی کی آنکھوں میں نظریں گاڑے دیکھتا رہا۔ اور

غیر مرئی پروں کی پھڑپھڑاہٹ سُنتا رہا۔ مجھے اس وقت ایسا محسوس ہُوا۔ جیسا کہ میں ایک غیر متشکل پیرہن کو چھُو رہا ہوں۔ اور میرے دل پر نادیدہ ہستیوں کا خوف طاری ہُوا۔

اے مُہیب، خوبصورت اور پُر جلال رات! میں نے تجھے آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کا لبادہ اور کہر کا کمر بند پہنے دیکھا، تو سُورج کی روشنی پر قہقہے لگا رہی تھی۔ اور دن کی عظمت کا مضحکہ اُڑا رہی تھی!

مَیں نے تجھے ان بے شمار غلاموں پر نفرت کا اظہار کرتے دیکھا اے رات! جو بتوں کے سامنے رات بھر گھٹنے ٹیکے پڑے رہتے ہیں۔ اور ان بادشاہوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے پایا۔ جو اطلس و کمخواب کے بستر میں پڑ کر سو رہتے ہیں اور شب بھر سنہری خواب دیکھتے ہیں۔

میں نے تجھے چوروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے۔ اور سوئے ہوئے بچّوں کی پاسبانی کرتے پایا۔

فاحشہ عورتوں کے تبسم پر روتے، عاشقوں کے آنسوؤں پر مُسکراتے، اور اپنے داہنے ہاتھ سے حوصلہ مند انسانوں کو اُوپر اُٹھاتے اور کم ظرف انسانوں کو پاؤں تلے روندتے دیکھا۔

اے رات میں نے تجھے یُوں دیکھا اور تُو نے بھی مجھے دیکھا۔ تو
اپنے اس پُر رعب حُسن میں بھی میرے لئے مثل باپ کے تھی۔ اور
میں اپنے خوابوں میں ایک بیٹا تھا۔ کیونکہ وجُود کے نقاب ہٹا لئے
گئے تھے۔ اور شکوک کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔

تُو نے مجھ پر اپنے اسرار کا انکشاف کیا۔ اور میں نے تم پر اپنی
تمام اُمیدیں اور تمنائیں ظاہر کر دیں۔ تب تیری عظمت ایک لطیف
گیت بن گئی۔ جو پھولوں کی سرگوشیوں سے زیادہ خوبصُورت تھی، اور
میرے اندیشے پرندوں کے اعتماد سے بھی زیادہ بھروسے میں بدل
گئے۔"

تُو نے مجھے اُٹھایا۔ اور اپنے کندھوں پر جگہ دی۔ اور میری
آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سُننے۔ ہونٹوں کو بولنے اور دل کو محبت
کرنے کا راز بتایا۔

تُو نے اپنی جادُو بھری اُنگلیوں سے میرے تخیل کو چھُوا۔ اور
میرے افکار ایک گاتی ہوئی ندی کی طرح بہہ نکلے اور خس و خاشاک کو
اپنی رَو میں بہا کر لے گئے۔

تُو نے اپنے ہونٹوں سے میری رُوح کو بوسہ دیا۔ اور وہ بھڑک
اُٹھی۔ اور اس کے شعلوں نے تمام بے جان اور دم توڑتی ہوئی

چیزوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

اے رات، میں تیرا برابر پیچھا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تجھ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہ رہا۔

میری حیثیت تیرے رفیق کی سی ہو گئی۔ یہاں تک کہ تیری تمنائیں میری تمنائیں بن گئیں۔

میں نے تجھ سے محبت کی۔ یہاں تک کہ میری ہستی ایک ادنےٰ پیمانے پر تیری ہستی بن گئی۔

میرے تاریک وجود میں بھی دہکتے ہوئے ستارے ہیں۔ جنہیں جذبات شام کے وقت بکھیر دیتے ہیں۔ اور شبہاتِ نور کے تڑکے میں جمع کر لیتے ہیں۔

اور میرے سینے میں ایک چاند ہے۔ جو کبھی گھرے بادلوں سے دست بگریباں ہوتا ہے۔ اور کبھی خوابوں کے ہجوم سے جو تمام دنیا پر چھا جاتے ہیں۔

اب میری بیدار روح میں ایک سکون خلوت گزیں ہے۔ جو عاشقوں کے بھید اور عابدوں کی دعاؤں کو واضح کرتا ہے۔ اور میری ہستی پر رازوں اور اسرار کا ایک نقاب ہے۔ جسے جانکنی

کا عذاب تار تار کر دے گا۔ لیکن شباب کے گیت اسے پھر رفو کریں گے۔

اے رات میں تیری طرح ہوں۔ اگر انسان مجھے بر خود غلط خیال کرتا ہے۔ تو کیا وہ خود کو دن سے تشبیہہ دے کر مغرور نہیں!

میں تیرے جیسا ہوں اورات! مجھ پر بھی ایسی باتوں کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جن کا میں مطلقاً قصوروار نہیں۔

میں اپنی اُمیدوں، خوابوں اور اپنی وجُودی کیفیتوں میں تجھ جیسا ہوں او رات!

میں تیری طرح ہوں اورات اگرچہ شام مجھے اپنی پُر اسرار سنہری اُون کا تاج نہیں پہناتی۔

میں تیری طرح ہوں اورات! اگرچہ مجھے نمودِ صبح موتیوں اور پھُولوں سے سجا ہُوا لباس نہیں پہناتی۔

میں تیرے جیسا ہوں اورات۔ اگرچہ مجھے کہکشاں کا کمربند مُیسر نہیں،

میں بھی ایک رات ہوں اورات! وسیع اور خاموش اگرچہ میں پابجولاں بھی ہوں اور باغی بھی،

میری تاریکیوں کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ میری گہرائیوں کی

کوئی انتہا ہے۔

جب مردہ انسانوں کی رُوحیں خوابِ عدم سے اُٹھ کر مُسرت کے نُور پر نازاں ہوں گی۔ تو میری شب آشنا رُوح اپنے غموں کی تاریکی سے پیکرِ جلال بن کر عالمِ برزخ کی طرف پرواز کرے گی۔

میں تیری طرح ہوں اور رات! اور جب صبح طلوع ہوگی۔ تو پھر تیری طرح میری زندگی بھی تمام ہو جائے گی۔

اے دل تو بھی خاموش ہو جا

اے دل خاموش
یہ کون و مکاں تیری آواز سُننے کو تیار نہیں!
خاموش اے دل!
گرد و پیش کی فضا
ماتم اور فریاد کی صداؤں سے بھری ہوئی ہے۔
یہ تیرے نغمے نہیں سُنے گی۔
اے دل خاموش!
رات کے سائے تیرے بھیدوں کی مدھم آواز کو نہیں سُن سکتے۔
اور تاریکی کا جلوس تیرے خوابوں کے لئے اپنے قدم نہیں
روک سکے گا۔
خاموش اے دل۔
پَو پھٹنے تک خاموش رہ
جو شخص صبح کا تحمّل اور صبر سے انتظار کرتا ہے۔ وہ اس

کا نہایت اطمینان سے خیر مقدم بھی کرتا ہے۔
اور جو شخص روشنی سے محبت کرتا ہے۔ روشنی بھی اس کی دل دادہ ہوتی ہے۔
اے دل خاموش۔
اے میرے دل خاموش رہ۔ اور میرے الفاظ کو سن۔
میں نے خواب میں ایک سیاہ پرندے کو ایک بھڑکتے ہوئے کوہِ آتش فشاں کے دہانے پر گاتے دیکھا
میں نے ایک سوسن کا پھول دیکھا۔ جس نے اپنا سر برف سے اُوپر اُٹھایا ہوا تھا۔
میں نے ایک برہنہ حور کو قبروں کے کتبوں کے مابین ناچتے دیکھا۔
اور ایک بچّے کو کھوپریوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے مسرور پایا۔
یہ سب کچھ میں نے خواب میں دیکھا۔
جب میں بیدار ہوا۔ اور اپنے گرد و پیش نظر ڈالی۔
تو میں نے کوہِ آتش فشاں کو اپنے قہر و غضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے پایا۔
لیکن سیاہ پرندے کو گاتے ہوئے نہ سُن سکا۔

میں نے آسمانوں کو پہاڑوں اور وادیوں پر برف برساتے ہوئے دیکھا۔ جس سے خاموش سوسن سفید کفن سے ڈھک گیا۔

میں نے قبروں کی قطاریں دیکھیں۔ جو زمانہ کے سکوت کے سامنے کھڑی تھیں۔ لیکن میں نے کسی کو ان پر ناچتے یا دُعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

پھر میں نے کھوپریوں کا ایک بہت بڑا انبار دیکھا۔ لیکن ان میں ہوا کے قہقہوں کے سوا کسی کے قہقہے نہ سُن سکا۔

جب میں بیدار ہُوا۔ تو مجھے رنج و غم کے سوا اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

تو پھر خوابوں کی مسرتیں کہاں کھو گئی ہیں۔

ہماری نیندوں کی شوکت کہاں مستور ہے۔ اور اُس کی چمک دمک کہاں روپوش ہو گئی ہے۔

جب تک انسان کی تمنائیں اور اُمنگیں عالمِ خواب میں واپس نہ آجائیں۔ اس کی رُوح کیسے صبر کرسکتی ہے۔

اے دلِ خاموش اور میرے الفاظ پر توجہ فرما۔

ابھی کل ہی میری رُوح ایک پرانا اور مضبوط درخت تھی جس کی جڑیں زمین کے سینے میں دُور تک دھنسی ہوئی تھیں۔ اور اس

کی شاخیں فضا میں جھومتی تھیں۔

فصلِ بہار میں شگوفے پیدا کرتی تھیں۔

اور موسمِ گرما میں پھل لاتی تھیں۔

جب خزاں کا موسم آیا۔ تو میں نے چاندی کے طشت میں پھل جمع کیے اور انہیں چوراہے میں رکھ دیا۔

رہگیر اس پھل کے پاس آئے۔ اسے اٹھا کر کھایا۔ اور چلتے بنے۔

جب خزاں کا موسم گزر گیا۔ اور اس کا راگ رنگ فریاد اور ماتم میں بدل گیا۔

تو میں نے طشتوں پر نظر ڈالی اور دیکھا۔ کہ لوگوں نے ایک کے سوا باقی تمام پھل کھا لیے ہیں۔

جب میں نے اُسے چکھا۔ تو یہ ایلوے کی طرح کڑوا اور کچے انار کی طرح کھٹا تھا۔

تب میں نے اپنے آپ سے کہا۔

تف ہے مجھ پر ——————

میں لوگوں کے ہونٹوں کے لیے لعنت بنا۔ اور میں نے ان کے پیٹ میں بیماری پیدا کی۔

اے میری رُوح تیری وہ خوشبو کیا ہوئی۔ جو تیری شاخوں

نے سُورج کی روشنی سے حاصل کی تھی۔

تب میں نے اپنی رُوح کا پُرانا ـــــ مگر مضبُوط درخت ماضی کے تنے سے کاٹ دیا۔ اور اس کے جسم سے بہار اور خزاں کی ہزار ہا یادوں کا لبادہ لیا۔

اور میں نے اپنی رُوح کا درخت دُوسری جگہ لگایا۔

مَیں نے اسے وقت کی سڑکوں سے دُور بویا۔ اور راتوں اس کی نگہبانی کی۔

اور اسے اپنے آنسوؤں اور خون سے سینچا۔

اور کہا:۔

"خون میں ایک خاص لذت اور آنسوؤں میں ایک خاص حلاوت ہے۔"

جب فصلِ بہار واپس آئی۔ تو میری رُوح کے درخت میں پھر شگوفے پھُوٹے اور گرمیوں میں پھل لگا۔

اور جب خزاں آئی تو میں نے پکے ہُوئے پھل کو پھر توڑا۔ اور سونے کے طشتوں میں اُسے سجا کر چوراہے میں رکھّا۔

لوگ پھر آئے اور گزر گئے۔

اور کسی نے بھی پھل کو ہاتھ نہ لگایا۔
تب میں نے پھل کو اُٹھا کر کھایا۔ تو وہ شہد کی طرح میٹھا امرت کی طرح رسیلا اور چنبیلی کی طرح خوشبو دار
اور بابل کی شراب کی طرح خوش ذائقہ تھا۔
اور میں نے بلند آواز میں چلّا کر کہا۔
لوگ اپنے ہونٹوں پر رحمت نہیں چاہتے۔
اور نہ پیٹ میں صداقت کے خواہاں ہیں۔
کیونکہ رحمت آنسوؤں کی بیٹی ہے۔
اور صداقت درد کا لختِ جگر ہے۔"
تب میں واپس آیا۔ اور اپنی رُوح کے الگ تھلگ درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔
اور اس کا کھیت وقت کی سڑکوں سے پرے ہے۔

اے دل خاموش —— پو پھٹنے تک خاموش رہ
فضا مُردہ جسموں کی عفونت سے لبریز ہے۔ وہ تمہارے زندہ سانسوں کو قبول نہیں کرتی۔
اے دل خاموش رہ اور میری آواز سُن۔

ابھی کل ہی میرا تخیل ایک جہاز کی طرح سمندر کی موجوں پر تیر رہا تھا۔ اور ہوا کے ساتھ ساحل بہ ساحل کوچ کرتا تھا۔

اور میرے تخیل کے جہاز میں سات شیشیوں کے سوا جو قوس و قزح کے سات رنگوں کی طرح تھیں۔

اور کچھ نہ تھا۔

ایک دن جب میں سمندر کے پانیوں پر سفر کرتے کرتے تنگ آ گیا۔

تو میں نے کہا۔

میں اپنے تخیل کے خالی جہاز کے ساتھ اپنی جنم بھومی کی بندرگاہ کو واپس جاؤں گا۔

اور جب میں واپس لوٹنے لگا۔ تو میں نے اپنے جہاز کے دونوں پہلوؤں پر سات رنگوں سے روغن کیا!

یہ شام کی شفق کی طرح زرد۔

آسمانوں کی طرح لاجوردی اور ترنج کی طرح خونیں رنگ بن گیا۔

میں نے اس کے بادبانوں اور چپوؤں پر ایسی تصویریں کھینچیں جو آنکھوں کو مسحور کر کے فریبِ نظر بن جائیں۔

جب یہ کام پورا ہو چکا۔ تو میرے تخیل کا جہاز ایک پیغمبر کا

رو رہا معلوم ہوتا تھا۔

جو دو ناپیدا کنار وسعتوں کے درمیان بہ رہا ہو۔

جب میرا جہاز واپس بندرگاہ میں پہنچا۔ تو تمام لوگ مجھ سے ملنے آئے۔

انہوں نے مسرت کے نعروں سے میرا استقبال کیا۔ اور طنبورے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے مجھے نہایت تعظیم و تکریم سے شہر میں لے گئے۔

انہوں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا۔ کیونکہ میرے تخیل کا جہاز ان کے لئے دلفریب تھا۔

لیکن کوئی شخص اس پر سوار نہ ہوا۔ اور نہ کسی نے یہ دیکھا کہ میرا جہاز بالکل خالی ہے۔

تب میں نے اپنے آپ سے کہا۔

میں نے لوگوں کو دھوکا دیا ہے۔ اور رنگ کی سات شیشیوں سے ان کی بصارت اور بصیرت دونوں کو فریب میں مبتلا کیا ہے۔

جب ایک سال گزر گیا۔ میں پھر اپنے تخیل کے جہاز پر سوار ہوا اور سمندر پر چل نکلا۔

پھر میں جنوبی جزیروں کی طرف گیا۔ اور وہاں سے سونا، یاقوت۔ زمرد اور ہر قسم کے قیمتی پتھر لایا۔

میں شمال کی طرف بھی گیا۔ اور وہاں سے نایاب قسم کا ریشم اور مخمل اور ہر قسم کے فیتے اور جھالریں حاصل کیں۔

وہاں سے میں مغرب کی طرف گیا۔ اور زرہ بکتر۔ نیزے اور تلواریں اور انواع واقسام کے ہتھیار مہیّا کئے۔

اس طرح میں نے اپنے تخیّل کے جہاز کو دُنیا بھر کی بیش قیمت اور نادر اشیا سے بھر لیا۔ اور اپنے دیس کی طرف واپس لوٹا۔

اور دل میں کہا۔

اب میرے وطن کے لوگ میری بہت آؤ بھگت کریں گے اور مجھے گیتوں اور شہنائیوں کے ساتھ بازار میں لے جائیں گے۔

لیکن دیکھو۔ جب میں اپنے وطن کی بندرگاہ میں پہنچا۔ تو کوئی شخص میری پیشوائی کو نہ آیا۔

اور نہ کسی نے میرا خیر مقدم کیا۔

میں اپنے شہر کے گلی کوچوں میں داخل ہُوا۔ لیکن کسی نے میری طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا۔

میں بازار کے چوکوں میں بھی کھڑا ہو کر بلند آواز کہتا رہا کہ میں

تمہارے لئے دُنیا بھر کے تحفے لایا ہوں۔ لیکن لوگ مجھے تمسخر سے دیکھتے رہے۔ اور ان کے چہروں پر حقارت کے آثار نمایاں تھے۔

وہ سب مجھ سے منہ موڑ کر چل دیئے۔

اس طرح میں برگشتہ و حیراں پھرا رہا۔ اور بالآخر بندرگاہ کی طرف چلا گیا۔

جونہی میری نظر جہاز پر پڑی۔ میں نے ایک ایسی بات دیکھی۔ جس کی طرف میں نے سفر میں کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

اس لئے میں نے شرمسار ہو کر کہا۔

دیکھو۔ موجوں نے میرے جہاز کے ساتوں رنگ مٹا دیئے ہیں۔ اور اب یہ ہڈیوں کا ایک ڈھیر معلوم ہوتا ہے۔

تند ہواؤں۔ طوفانوں اور سورج کی شعاؤں نے اس کے بادبانوں سے وُہ حیرت انگیز اور دلفریب تصویریں محو کر دی تھیں جو میں نے ان پر کھینچی تھیں۔ اور اب یہ بالکل بے رنگ اور حقیر چیتھڑے معلوم ہوتے تھے۔

٭

یہ درست ہے۔ کہ میں نے دُنیا بھر کے خزانے صندوقچے ہیں جو سمندر کی سطح پر تیرتا پھرتا ہے۔ اکٹھے کیئے۔ اور اپنے دیس کو واپس آیا۔ لیکن میرے ہم وطن مجھ سے دُور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ان کی

آنکھیں ظاہری آب وتاب کے سوا کچھ نہیں دیکھتیں۔

میں نے اس وقت اپنے تخیّل کا جہاز چھوڑ دیا۔ اور شہر خموشاں کی طرف چل نکلا۔ وہاں میں سفید قبروں کے درمیان بیٹھ گیا۔ اور ان کے بھیدوں پر غور وخوض کرنے لگا۔

اے دل خاموش! تو صبح تک خاموش رہ۔

خواہ طوفان تیری گہرائیوں کی ہلکی ہلکی آوازوں پر خندہ زن ہوں۔ کیونکہ جو کوئی صبح کے۔ لئے صبر اور تحمّل سے انتظار کرتا ہے۔ صبح اُس کے ساتھ محبّت اور شفقت سے ہم کنار ہوتی ہے۔

اے میرے دل۔ دیکھ صبح نمودار ہوگئی ہے۔

اگر تجھ میں تابِ گویائی ہے۔ تو بول۔ اے میرے دل۔

صُبح کا جلوس دیکھ،

کیا رات کے سکُوت نے تیری گہرائیوں کی تہ میں ایک گیت نہیں پیدا کیا۔ تاکہ تو اس۔ سے صُبح کا خیر مقدم کرے۔

وادی پر فاختاؤں اور سیاہ پرندوں کی پرواز دیکھ۔

کیا رات کے جلال نے تیرے پروں میں اتنی توانائی نہیں پیدا کی۔ کہ تو ان کے ساتھ محوِ پرواز ہو۔

دیکھو! چرواہے اپنے گلّوں کو باڑوں میں سے باہر نکال

رہے ہیں۔

کیا رات کے سایوں نے تم میں یہ ولولہ پیدا نہیں کیا۔ کہ تو کبھی سرسبز مرغزاروں کی طرف جائے۔

دیکھ! نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو دیکھ! جو باغوں کی طرف جا رہی ہیں۔

کیا تو اُٹھ کر ان کے ساتھ گامزن نہ ہو گا۔

اے میرے دل اُٹھ۔ نمودِ صبح کے ساتھ تو بھی حرکت کر۔

رات گزر چکی ہے اور اس کی ہولناکیاں اپنے تاریک خوابوں کے ساتھ رخصت ہو چکی ہیں۔

اے میرے دل اُٹھ اور پنچم میں گا کیونکہ جو شخص صبح کا نغموں سے استقبال نہیں کرتا۔

وہ اندھیرے کا فرزند ہے۔

مٹّی

بڑی شان و شوکت اور عزت و اقبال کے جلو میں
مٹّی مٹّی کے بطنِ وجود سے جنم لیتی ہے
پھر یہ مٹّی بڑے طمطراق سے مٹّی کے اُوپر چلتی پھرتی ہے
مٹّی مٹّی سے بادشاہوں کے لئے محلّات
اور خاص و عام کے لئے اُونچے اُونچے مینار اور اچھے اچھے
معبد تعمیر کرتی ہے۔
وہ دیو مالا کے تانے بانے بُنتی ہے
زندگی کے لئے سخت گیر قانون وضع کرتی ہے
اور دقیقہ رس عقائد کی تشکیل کرتی ہے
جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے
تو مٹّی مٹّی کے جنجالوں سے اُکتا کر
اپنی طبیعت کے نور و ظلمت کی مدد سے
تاریک و بھیانک سایوں

نرم و لطیف تصورات اور دلفریب و سہانے خوابوں کی تخلیق کرتی ہے۔

اس محنت اور کاوش سے نڈھال ہو کر
جب مٹی کی پلکیں بوجھل ہو جاتی ہیں
تو مٹی کی نیند تھکی ماندی مٹی کو سکون بخشتی ہے اور سب کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔
اور پھر مٹی مٹی کو مخاطب کرتے ہوئے یوں گویا ہوتی ہے
دیکھو میں ہی بطن ہوں اور میں ہی مرقد
اور ہمیشہ ہمیشہ میں ہی بطن رہوں گی اور میں ہی مرقد ہمیشہ
جب تک ستارے بے نشاں
اور چاند سورج جل بجھ کر راکھ کا ڈھیر نہ ہو جائیں